تعلیم و اشاعتِ قرآن کے لئے مولانا آزاد کے منصوبے

ازقلم: ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری

۱۹۱۲ء میں قرآن حکیم کی دعوت و تبلیغ عمومی کے لئے الہلال جاری کیا گیا تھا اور جب کہ بیج زمین کے سپرد کر دیا گیا تھا تو ضروری تھا کہ اس کے تحفظ و نشو و نما کے لئے دیگر سرو سامان بھی کر دیا جائے۔ اس سلسلے میں جو معلومات ہمارے سامنے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ الہلال کے ذریعہ تبلیغ و اشاعت تعلیمات الہیہ اور تعارف علوم و معارف قرآن کے بعد مندرجہ ذیل خاص اہتمام پیش نظر تھے۔

(۱) تعلیم و تربیت اصحاب استعداد کے لئے مدرسہ دارالارشاد کا قیام

(۲) تالیف و تدوین علوم و معارف قرآن اور ترجمہ و تفسیر کی اشاعت

(۳) تعلیم و اشاعت قرآن کے لئے ایک علمی ادارے کا قیام

مدرسہ دارالارشاد کا قیام

الہلال نے دعوتِ الی القرآن کی جو صدائے حق بلند کی تھی اور اس دعوت کے شجر طیبہ نے جو برگ و بار پیدا کیے تھے۔ وہی سب کچھ مقصود نہ تھا۔ درحقیقت یہ دعوت کی پہلی منزل تھی، یہ زمین کا تیار کرنا تھا اور جب کہ یہ عمل حق ظہور میں آچکا تھا تو ضروری تھا کہ منصوبے کے دوسرے مرحلے اور سفر کی دوسری منزل کا آغاز کر دیا جائے۔ مدرسہ دارالارشاد کا قیام اسی دوسری منزل کا ظہور اور دعوت حق کے بیج کو طالبان حق کی سرزمین قلوب کے سپرد کر دینا تھا۔ خود مولانا نے اس منزل کے ظہور اور نئی منزل کے مقصد سفر کے بارے میں فرمایا ہے۔

"چند سال پیشتر کا واقعہ ہے کہ مشیت الٰہی نے اس عاجز کی رہنمائی کی اور الہلال نے قرآن حکیم کی تبلیغ و دعوت کی صدا از سر نو بلند کی - لیکن اس عرصے میں جو کچھ ہوا وہ ایک دعوت عام تھی جس کے ذریعے فہم و بصیرت قرآن کی نئی راہیں عوام و خواص نے اپنے سامنے دیکھیں اور قرآن کریم کے عشق و شیفتگی کا ایک نیا ولولہ دلوں میں پیدا ہو گیا - تاہم اس دعوت کی ایک دوسری منزل ابھی باقی ہے اور وہی فی الحقیقت اہم تر مقام سعی و تعب ہے - یعنی قوم میں بکثرت ایسے افراد پیدا کئے جائیں جو انہی راہوں پر چل کر قرآن کریم کے علوم و معارف کو تکمیل حاصل کریں اور ان کے ذریعے قوم میں ارشاد و ہدایت اور احیائے دعوت و ذکر کا عملی سلسلہ بالعموم شروع ہو سکے"

اسی مقالے میں لکھتے ہیں : دارالارشاد کا مقصد یہی ہے، دعوت الی القرآن کی اس دوسری منزل کا سروسامان ہو اور تھوڑے وقت اور بہت زیادہ صرف علم و فکر سے ایک ایسی جماعت پیدا کی جائے جو قرآن حکیم کی دعوت و تبلیغ کی خدمت اور اصلاح و ارشاد امت کا فرض انجام دے[1]

چنانچہ اس منصوبے کے سلسلے میں کلکتہ کے مشرقی جانب میونسپلٹی کے حدود سے باہر ایک قطعہ زمین حاصل کر لیا گیا تھا - یہ قطعہ زمین مولانا آزاد کے والد مولوی خیرالدین مرحوم کے ایک مرید حاجی مصلح الدین کی ملکیت تھا جو انہوں نے اس مقصد کے لئے وقف کر دیا تھا - اس میں ایک مسجد کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی تھی اور یکم رمضان ۱۳۳۲ھ (جولائی ۱۹۱۴ء) کو مدرسہ کے دارالجماعہ (لیکچر روم) کا سنگ بنیاد بھی رکھ دیا گیا تھا - کوشش کی گئی تھی کہ دارالجماعہ کی تعمیر جلد مکمل ہو جائے تاکہ تعلیم و تدریس اور تربیت اصحاب استعداد طالبان حق کا کام شروع کر دیا جائے[2] لیکن جب چند روز چند موانع کے باعث یہ ممکن نہ ہوا تو کرایہ کی ایک عمارت میں درس و تعلیم قرآن کا آغاز کر دیا گیا - البلاغ کے پہلے ہی شمارے میں مولانا تحریر فرماتے ہیں :

"گزشتہ سال رمضان میں "دارالارشاد" کی بنیاد رکھی گئی ... اارادہ تھا کہ اسی سال سے تعلیم و ارشاد کا سلسلہ بھی شروع کر دیا

(حاشیہ اگلے صفحے پر دیکھئے)

جائے ۔ لیکن مشیت الٰہی مساعد نہ ہوئی ۔

موجودہ حالت یہ ہے کہ مدرسہ کا ہال تیار ہو چکا ہے ۔ لیکن جب تک طلبأ کے قیام کے لئے ایک دوسری عمارت تیار نہ ہو جائے، وہاں کام شروع نہیں ہو سکتا ۔ اس کے لئے اقلاً دس پندرہ ہزار روپے اور ہونا چاہیئے ۔ کمروں کی تیاری کا انتظار میں کر سکتا ہوں لیکن نہ تو میری زندگی کر سکتی ہے (جس کا قیام نا معلوم) اور نہ زمانہ کر سکتا ہے (جس کی رفتار ہمارے ارادوں اور امیدوں کی پابند نہیں)، پس متوکلاً علی اللہ اس عاجز نے پچھلے دنوں فیصلہ کر لیا کہ سر دست ایک کرائے کے مکان میں سلسلۂ تدریس وارشاد شروع کر دیا جائے ۔

بایں کہ کعبہ نمایاں شود زپا منشیں   کہ نیم گام جدائی ہزار فرسنگ است

غرض کہ مسلمانوں کی داخلی اصلاح واحیائے علم وعمل اور غیر قوموں میں اسلام کی تبلیغ کے لئے دار الارشاد کھول دیا گیا ہے اور طلبہ کے لئے ایک دو منزلہ مکان شہر کے یوروپین کوارٹر میں لے لیا گیا ہے ۔" ۳؎

مارچ ۱۹۱۶ء میں حدود بنگال سے مولانا آزاد کے اخراج کے بعد چونکہ الہلال پریس اور دفتر کی خانہ تلاشی میں چونکہ حزب اللہ کے ارکان کا رجسٹر اور مدرسہ دار الارشاد اور اس کے طلبہ کے متعلق تمام کاغذات پولیس کے قبضے میں چلے گئے تھے جو بعد میں نہ مل سکے ۔ اس لئے آج ہمارے پاس مدرسہ کے بارے میں الہلال کے بعض مضامین میں صرف اشارات سے زیادہ کوئی معلومات نہیں ہیں ۔ البتہ تحریک ریشمی رومال کے سرکاری ریکارڈ سے قومی و ملی زندگی کے بارے میں جو بہت ہی مفید معلومات دستیاب ہوئی ہیں اس میں مدرسہ دار الارشاد کے قواعد وضوابط اور اس کے چند طلبہ کے نام بھی ہیں ۔ رپورٹ یہ ہے ۔

"مدرسہ دار الارشاد مولانا ابوالکلام آزاد نے ۱۹۱۵ء میں کلکتہ میں قائم

۱؎ آزاد، ابوالکلام، البلاغ، کلکتہ ۔ ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء ۲؎ آزاد، ابوالکلام، حزب اللہ دار الجماعہ کی تاسیس (مقالہ) الہلال، کلکتہ، ۲۹ جنوری ۱۹۱۴ء، ص ۵ ۳؎ آزاد، ابوالکلام، البلاغ، کلکتہ، ۱۲ر نومبر ۱۹۱۵ء ۔

کیا۔ دیکھنے میں یہ ایک تعلیمی ادارہ ہے جو قرآن و حدیث کی ہدایات کے مطابق چلایا جاتا ہے لیکن شرائط داخلہ کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وقوف علم کے ساتھ اتحاد اسلامی کا فروغ اس کالج کا مقصد ہے۔ اس میں داخلہ کی بعض شرائط شرمی اربند و گھوش کے مانک ٹولہ گارڈن گیتا اسکول کی شرائط سے ملتی جلتی ہیں۔ کالج میں داخلہ تمام میٹرک پاس، انڈر گریجویٹ اور گریجویٹ مسلمانوں کے لئے کھلا ہے۔ تمام طلبہ پر چھ ماہ کی ٹریننگ کا کورس پورا کرنے کی پابندی ہے۔ اس کے بعد وہ آزاد ہیں چاہے دارالارشاد کے مقاصد کے لئے کام کریں یا کوئی پیشہ خود اختیار کرلیں۔ مولوی محی الدین عرف برکت علی ولد مولوی عبدالقادر پلیڈر قصور، محمد حسین زماں آف گوجرانوالہ جو اب ٹریفک مینجر نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور کے دفتر میں کلرک ہے، ضلع سیالکوٹ کا محمد اکبر اور محمد یونس پسر شیخ محمد یوسف آف گجرات دارالاشاد کلکتہ کے طالب علم رہے ہیں۔ ڈیفنس ایکٹ کے تحت کلکتہ سے مولانا ابوالکلام آزاد کے اخراج کے بعد سے غالبا ادارہ بند ہے[۱]۔"

پولیس کی اس رپورٹ کے مطابق دارالارشاد میں مولانا آزاد سے استفادہ کرنے والوں میں ان حضرات کے علاوہ خواجہ عبدالحی فاروقی، مستری محمد صدیق، نجم الدین احمد وغیرہ کے اسمائے گرامی معلوم ہیں۔ مدرسہ دارالارشاد میں مولانا آزاد کے علاوہ جو اساتذہ کام کرتے تھے ان میں سے ہمیں صرف مولوی مظہرالدین شیرکوٹی جو بعد میں الامان دہلی کے ایڈیٹر کی حیثیت سے مشہور ہوئے، کا نام ہمارے علم میں آیا ہے[۲]۔

تبلیغ اسلام اور اشاعت تعلیم کتاب و سنت کے لئے مولانا آزاد نے جماعت حزب اللہ کے تحت السائحون العابدون کے خصائص و صفات کی حامل ایک جماعت بھی بنائی تھی اور اس کے لئے چند طالبان حق منتخب کرلئے تھے جنہوں نے اپنی سیاحت رشد و ہدایت شروع بھی کردی تھی۔ اس سیاحت کا دائرہ اگرچہ

---

[۱] محمد میاں، مولانا سید (مرتب)، تحریک شیخ الہند، لاہور، مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، ۱۹۷۵ء، ص ۱۸ - ۲۱۷ - [۲] ایضاً، ص ۲۴۷

بیرون ہند اور کرۂ ارضی کے تمام اقطاع و ممالک تک پھیلا ہوا تھا لیکن اس کا آغاز برصغیر کے دیار و امصار کی سیاحت و تبلیغ سے کیا گیا تھا - اس منصوبے کے مقاصد اور طریقۂ کار کا نقشہ مولانا آزاد کے الفاظ میں یہ ہے :-

جامع لفظوں میں انکا مقصد یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ "مسلمانوں نے دینی اعتقادات و اعمال کی اصلاح و درستگی اور انہیں اعتقاداً و عملاً ایک سچا مسلمان، راسخ الاعتقاد مومن، اور اولوالعزم و بلند ارادہ مجاہد فی سبیل اللہ بنا دینے کی سعی کرنا، اور مسلمانوں کے عام طبقات کے اندر وہ تمام معلومات ضروریہ اپنے وعظ و بیان سے پیدا کر دینا، جو ایک عالم و صاحب فضل شخص کو از روئے علم و کتاب حاصل ہیں -

اس کے لئے ضروری ہے کہ ایسے لوگ مختلف مقامات میں رہ جائیں اور عرصے تک کیلئے اس طرح مقیم ہو جائیں گویا وہی انکا گھر ہے اور وہیں ان کو آخر تک بسنا اور زندگی گذارنا ہے۔ سلف صالحین کے داعیوں کا یہی اسوۂ حسنہ ہمارے سامنے ہے - محض ادعائی واعظوں کی چند روزہ گشتوں اور دوروں سے نہ تو کبھی کوئی اثر پیدا ہوا ہے - اور نہ کسی گروہ کے اندر اس سے کوئی تبدیلی پیدا ہوگی - تبدیلی تعلیم سے پیدا نہیں ہوتی بلکہ ان چیزوں سے حاصل ہوتی ہے جن کے لئے محض شریعت کے بھیج دینے کی جگہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ظہور و قیام کو اللہ نے ضروری قرار دیا تھا -

"پس وہ اپنے تمام تعلقات و محبوبات سے بے پروا ہو کر خدمت اسلام و مسلمین کے رشتے کو ترجیح دیں گے، اور ایک روز سے لے کر سالہا سال تک کے لئے مقیم ہو جائیں گے، تاکہ ان کی خدمات کے قابل اطمینان نتائج پیدا ہو جائیں اور مزید قیام کی ضرورت باقی نہ رہے -

ان کا طریق درس قرآن و سنت و عموم تعلیم و تبلیغ انہی اصولوں کے ماتحت ہوگا جو دعوۃ الہلال کے اصل الاصول ہیں" [۱]

علمی و تصنیفی منصوبہ تالیف و ترتیب علوم و معارف قرآنی کے سلسلے میں مولانا کے پیش نظر جو منصوبہ تھا وہ انہوں نے اس زمانے میں مرتب

---

[۱] آزاد، ابوالکلام: جماعت حزب اللہ (مقالہ) الہلال، کلکتہ، ۸ رجولائی ۱۹۱۴ء ص ۲۹

کر لیا تھا - اس کے مطابق مولانا کے سامنے تین تالیفات تھیں -

۱ - تفسیر البیان فی مقاصد القرآن

۲ - ترجمان القرآن

۳ - مقدمہ تفسیر الموسوم بہ البصائر

ان تالیفات کی تیاری کا آغاز بھی مولانا نے مدرسہ دارالارشاد کے قیام کے منصوبے کے ساتھ کر دیا تھا - مولانا لکھتے ہیں -

"۱۹۱۵ء میں جب میں نے اس کام کا ارادہ کیا، تو بیک وقت تین چیزیں پیش نظر تھیں، ترجمہ، تفسیر اور مقدمہ تفسیر - میں نے خیال کیا تھا کہ یہ تین کتابیں قرآن کے فہم و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں پوری کر دیں گی - عام تعلیم کے لئے ترجمہ، مطالعہ کے لئے تفسیر اور اہل علم و نظر کے لئے مقدمہ[1]"

چنانچہ نومبر ۱۹۱۵ء میں البلاغ نکلا تو اس کے پہلے شمارے میں تفسیر کا اشتہار دوسرے پرچے میں ترجمان القرآن کا اشتہار اور تیسرے نمبر میں مقدمہ تفسیر کا اعلان تھا پروفیسر محمد اجمل خان لکھتے ہیں -

"(البلاغ نمبر ۱) کے آخر میں رسالہ "تفسیر البیان فی مقاصد القرآن" کا اشتہار تھا جو ہر ماہ نصف حصہ مقدمہ تفسیر اور نصف تفسیر سورۃ فاتحہ پر مشتمل ہوگا۔

البلاغ نمبر ۲، ۲۶ر نومبر ۱۹۱۵ء میں سرورق پر "ترجمان القرآن" کا اشتہار تھا - اس میں بتایا گیا تھا کہ شاہ ولی اللہ نے سو برس پہلے فارسی میں ترجمہ کیا، پھر شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر نے اردو ترجمے کئے - اب اس بنیاد کی تکمیل کا شرف خدا نے ایڈیٹر الہلال کو دیا ہے - ترجمان القرآن اردو بحمداللہ لیتھو میں زیر طبع ہے - "

البلاغ نمبر ۳، ۱۰ر دسمبر ۱۹۱۵ء میں مندرجہ بالا اشتہارات کے علاوہ یہ تحریر ہے کہ

"تفسیر کے علاوہ ایک اور اہم اور مستقل چیز تفسیر کا مقدمہ ہے - ان شاء اللہ اس کے ابتدائی اجزاء بھی البیان کی اولین اشاعت کے ساتھ شائع ہو جائیں گے اور پھر اصل تفسیر کے ساتھ چھپتے رہیں گے - امید ہے

---

[1] آزاد، ابوالکلام، "ترجمان القرآن"، دفتر ترجمان القرآن، ۱۹۳۰ء، اشاعت اول، جلد اول، ص ۵۹

کہ مقدمہ جلد مرتب ہو جائے گا کیوں کہ وہ ایک محدود و مرتب چیز ہے۔

البلاغ مورخہ ۱۴ و ۲۱ جنوری ۱۹۱۶ء میں تحریر ہے کہ البیان و ترجمان القرآن کے لیے احباب کو اور انتظار کرنا چاہیے۔ حتی الامکان پوری کوشش کی جا رہی ہے کہ اس کا سلسلہ جلد شروع ہو جائے۔ تفسیر و مقدمہ شائع ہو جاتا لیکن ان کے مقدمہ کی وجہ سے دیر ہو گئی۔ کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ پہلے نمبر کے ساتھ مقدمہ پورا شائع کر دیا جائے گا۔

پھر البلاغ نمبر ۱۳ و ۱۴ مورخہ ۳ و ۱۰ ، مارچ ۱۹۱۶ء میں البیان کی تاخیر کا ذکر ہے اور عفو کی خواستگاری کی گئی ہے۔ کیونکہ کاغذ کا قحط ہے۔ یہی حال ترجمان القرآن کا بھی ہے۔

"آخر کار ۱۸ مارچ ۱۹۱۶ء کو گورنمنٹ بنگال نے کلکتہ سے اخراج کا حکم دے دیا اور مولانا رانچی چلے گئے۔ اس زمانے میں مولانا نے یہ مقدمہ چھپوایا تھا جس کے تئیس صفحات ہمیں کرم خوردہ حالت میں ملے ہیں" [1]

خود مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں :

"البلاغ میں جب ترجمہ و تفسیر کی اشاعت کا اعلان کیا گیا ہے تو ترجمہ پانچ پاروں تک پہنچ چکا تھا۔ تفسیر سورۂ آل عمران تک مکمل ہو چکی تھی اور مقدمہ یادداشتوں کی شکل میں قلم بند تھا۔" [2]

کام کی جلد از جلد تکمیل کے لیے جو طریقۂ کار وضع کیا گیا اس کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

"اس خیال سے کہ تھوڑے وقت کے اندر زیادہ سے زیادہ کام انجام پا جائے، میں نے تصنیف کے ساتھ چھپائی کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ اس طرح سال بھر کے اندر ترجمہ مکمل بھی ہو جائے گا اور چھپ بھی جائے گا۔ نیز تفسیر کی کم از کم پہلی جلد شائع ہو جائے گی۔ یہ سات دن کی مشغولیت

---

[1] محمد اجمل خاں۔ مقدمہ البیان کے بارہویں باب کا ایک حصہ، ملحقہ، ترجمان القرآن، دہلی، ساہتیہ اکادمی ۱۹۶۴ء، ص ۳۴ د - ۵۵۳

[2] آزاد، ابوالکلام: ترجمان القرآن، اشاعت اول، محولہ بالا، ص ۵۹

میں نے یوں تقسیم کر دی تھی کہ تین دن البلاغ کی ترتیب میں صرف کرتا تھا۔ دو دن ترجمے میں اور دو دن تفسیر میں۔" ؎۱

لیکن جب مولانا کو حدود بنگال سے باہر نکل جانے کا حکم دیا گیا تو کام کی موجودہ اور آئندہ صورت حال کے بارے میں مولانا کے عزائم یہ تھے۔

"۳، مارچ ۱۹۱۶ء کو جب میں کلکتہ سے روانہ ہوا تو تفسیر کے چھ فارم چھپ چکے تھے اور ترجمے کی کتابت شروع ہو رہی تھی۔ اب میں نے کوشش کی کہ میری عدم موجودگی میں پریس جاری رہے اور کم از کم تفسیر اور ترجمہ کا کام ہوتا رہے۔ چنانچہ جون ۱۹۱۶ء میں پریس کے دوبارہ اجرا کا انتظام ہو گیا اور میں مسودات کی ترتیب میں مشغول ہو گیا تاکہ پریس کے حوالے کر دوں"۔ ؎۲

لیکن اس حالت پر ابھی پورے چار ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ ۸ جنوری ۱۹۱۶ء کو مولانا کی نظر بندی کے احکام جاری ہو گئے۔ اس کے ساتھ ہی وہ پورا نظام معطل ہو گیا جو ترجمہ و تفسیر کی اشاعت کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ اب مولانا کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار نہ تھا کہ صرف تصنیف و تسوید کے کام پر قناعت کر لیں اور فراغتے و کتابے و گوشۂ چمنے کے مصداق نظر بندی کی فرصت اور رانچی کے گوشۂ عزلت میں قرآن حکیم پر غور و فکر اور ترجمہ و تفسیر کی مشغولیت ہی میں اپنے قلب کے اطمینان اور دماغ کے عیش کو ڈھونڈھا جائے۔ لیکن وقت کا فیصلہ اب بھی ان کے عزائم کے خلاف تھا۔ نظر بندی کے احکام کی تعمیل کے ساتھ مولانا کی قیام گاہ کی تلاشی بھی لی گئی تھی اور افسران تفتیش نے دیگر کاغذات کے ساتھ ترجمہ و تفسیر کے مسودات بھی اپنے قبضے میں کر لئے لیکن جب ان میں کوئی قابل اعتراض چیز نہ ملی تو دو ہفتے کے بعد انہیں واپس کر دیا گیا لیکن جب تفتیش کے نتیجے سے حکومت ہند مطمئن نہ ہوئی تو اس نے از سر نو اس معاملے پر توجہ کی اور پہلے محکمہ تفتیش کا افسر اعلیٰ دو ہفتے تک کلکتہ میں مصروف تفتیش رہا، پھر رانچی پہنچا اور مولانا کی قیام گاہ کی دوبارہ تلاشی لی گئی اور تمام کاغذات، ترجمہ و تفسیر کے مسودات حتی کہ چھپی ہوئی کتابیں بھی اپنے

؎۱ آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، (اشاعت اول) محولہ بالا، ص ۵۹، ۶۰
؎۲ ایضاً، ص ۶۰،

قبضے ہیں کریں - مولانا فرماتے ہیں -

"جس وقت یہ معاملہ پیش آیا، ترجمہ کا مسودہ آٹھ پاروں تک اور تفسیر کا مسودہ سورۂ نساء تک پہنچ چکا تھا لیکن اب ان کا ایک ورق بھی میرے قبضے میں نہ تھا - تاہم میں نے نویں پارے سے ترجمہ کی ترتیب جاری رکھی اور ۱۹۱۸ء کے اواخر میں کام ختم کر دیا - اب اگر ابتداء کے آٹھ پاروں کا ترجمہ واپس مل جائے تو پورے قرآن کا ترجمہ مکمل تھا - [۱]"

مولانا نے کاغذات ومسودات کی واپسی کے لئے ہر چند کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی تو ابتدائی نو پاروں کا ترجمہ بھی دوبارہ کر لیا - ۲۷ دسمبر ۱۹۱۹ء کو مولانا کو نظر بندی سے رہائی ملی - اب توقع کی جا سکتی تھی کہ شائقین ترجمہ وتفسیر کے ہاتھوں تک جلد یہ تالیفات پہنچ جائیں گی لیکن ٹھیک اس وقت ملک میں نئی سیاسی سرگرمیوں کا دروازہ کھل چکا تھا اور تحریک الہلال کے سیاسی بہبود کی کامیابی کا پورا مواد تیار تھا - صورت حال یہ تھی کہ مولانا آزاد اگر اپنے پیش نظر علمی وتصنیفی کاموں کی تکمیل کے لئے کسی گوشۂ تنہائی میں بیٹھنا بھی چاہتے تو ملک کے بیدار عوام اور رہنماؤں کے لئے انہیں نظر انداز کر دینا ممکن نہ تھا - چنانچہ مولانا کو ملک کی رہنمائی کے لئے میدان میں نکلنا پڑا یا وقت کے تقاضوں نے قوم وملت کی رہنمائی کے لئے ان کے وجود سامی کو ڈھونڈ نکالا - لیکن ترجمہ وتفسیر کی اشاعت کی ضرورت بھی ایسی نہ تھی کہ مولانا اسے نظر انداز کر دیتے - چنانچہ اس دوران میں تسوید کتابت کا کام بھی برابر جاری رہا اور ۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو مولانا کی گرفتاری کا واقعہ پیش آیا تو متن کی کتابت مکمل ہو چکی تھی اور ترجمہ کی کتابت کا آغاز تھا - لیکن اب جو حادثہ پیش آیا وہ مولانا کے بقول

"اس افسانے کی آخری المناکی ہے - اس کی وجہ سے نہ صرف ترجمان القرآن اور تفسیر کی اشاعت رک گئی بلکہ میری علمی زندگی کے ولولے افسردہ ہو گئے -"

گرفتاری کے بعد مولانا کے مکان اور مطبع کی تلاشی لی گئی اور افسران تفتیش قلمی مسودات کا تمام ذخیرہ اٹھا لے گئے حتیٰ کہ ترجمان القرآن کی تمام لکھی ہوئی کاپیاں

[۱] ایضاً ص ۱۲

بھی توڑ مروڑ کو مسودات کے ڈھیر میں ملا دیں اور منفرق قلمی کاغذات کی رسید دے کر چلے گئے - پندرہ ماہ کے بعد فروری ۱۹۲۳ء میں جب مولانا رہا ہوتے اور کاغذات کی واپسی کے لئے کوشش کی اور اس میں کامیابی ہوئی تو جو کچھ ہاتھ آیا وہ محض اوراق پریشان کا ڈھیر تھا - یہ مولانا کے صبر و شکیب کے لئے زندگی کی بہت بڑی آزمائش تھی - اب ترجمہ و تفسیر کی ہستی اس کے سوا ممکن نہ تھی کہ از سر نو محنت کی جاتے - لیکن مولانا فرماتے ہیں -

"اس حادثے کے بعد طبیعت کچھ اس طرح افسردہ ہوگئی کہ ہر چند کوشش کی مگر ساتھ نہ دے سکی - میں نے محسوس کیا کہ حادثہ کا زخم اتنا ہلکا نہیں کہ فوراً مندمل ہو جائے . . . . کئی سال گزر گئے میں اپنے آپ کو اس کام کے لئے آمادہ نہ کر سکا ... لیکن ایک

ایسے کام کی طرف سے جس کی نسبت میرا یقین تھا کہ مسلمانوں کے لئے وقت کا سب سے زیادہ ضروری کام ہے، ممکن نہ تھا کہ زیادہ عرصے طبیعت غافل رہی، جس قدر وقت گزرنا جاتا تھا اس کام کی ضرورت کا احساس میرے لئے ناقابل برداشت ہوتا جاتا تھا - میں محسوس کرتا تھا کہ اگر یہ کام مجھ سے انجام نہ پایا تو شاید عرصے تک اس کی انجام دہی کا کوئی سامان نہ ہو -

سنہ ۱۹۲۶ء کا قریب الاختتام تھا کہ اچانک مدتوں کی رکی ہوئی طبیعت میں جنبش ہوئی اور رشتہ کار کی جو گرہ ذہن و دماغ کی پیہم کوششیں نہ کھول سکی تھیں، دل کے جوشش بے اختیار سے خود بخود کھل گئی کام شروع کیا تو ابتدا میں چند دنوں تک طبیعت رکی رکی رہی لیکن جوں ہی ذوق و فکر کے دو چار جام گردش میں آئے، طبیعت کی ساری رکاوٹیں دور ہوگئیں اور پھر تو ایسا معلوم ہونے لگا گویا اس شورش کدہ مستی میں کبھی افسردگی اور خمار آلودگی کا گزر ہی نہیں ہوا تھا -

به بدمستی سزد گر متهم سازد مرا ساقی
هنوز از بادهٔ دوشینه ام پیمانه بو دارد

. . . . بہر حال کام شروع ہو گیا - اس خیال سے کہ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ترجمہ کے لئے بھی ضروری تھی سب سے پہلے اس کی طرف متوجہ ہوا - پھر

ترجمہ کی ترتیب شروع ہوئی۔ حالات اب بھی موافق نہ تھے، صحت روز بروز کمزور ہو رہی تھی۔ سیاسی مشغولیت کی آلودگیاں بدستور خلل انداز تھیں تاہم کام کا سلسلہ کم و بیش جاری رہا اور ۲۰ جولائی ۱۹۳۰ء کو آخری سورت کے ترجمہ و ترتیب سے فارغ ہو گیا۔

تا دست رسم بود زدم چاکِ گریباں
شرمندگی از خرقۂ پشمینہ نہ دارم،، [۱]

مقدمہ تفسیر البصائر جیسا کہ اوپر اشارہ کیا جا چکا ہے کہ مولانا کے نزدیک قرآن کے درس و مطالعہ کی تین مختلف ضرورتیں تھیں اور مولانا نے ان تینوں ضرورتوں کو تین کتابوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ مقدمہ تفسیر، البیان، اور ترجمان القرآن، مقدمہ تفسیر قرآن کے مطالب پر اصولی مباحث کا مجموعہ تھا اور مقصد یہ تھا کہ مطالب قرآن کے جوامع و کلیات مدون ہو جائیں البلاغ میں اس کے بارے میں مولانا نے لکھا تھا۔

"تفسیر کے علاوہ ایک اور اہم اور مستقل چیز تفسیر کا مقدمہ ہے۔ ان شاء اللہ اس کے ابتدائی اجزا بھی البیان کی اولین اشاعت کے ساتھ شائع ہو جائیں گے اور پھر اصل تفسیر کے ساتھ چھپتے رہیں گے امید ہے کہ مقدمہ جلد مرتب ہو جائے گا کیوں کہ وہ ایک محدود چیز ہے" [۲]

بعض حضرات نے اس قسم کے اعلان اور حوالوں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا تھا اور خیال کیا تھا کہ مقدمہ تفسیر کبھی مولانا کے دماغ سے کاغذ پر منتقل نہیں ہوا لیکن اب مقدمہ کے بارھویں باب کے کچھ مطبوعہ اوراق کی دستیابی نے مولانا کے بیان پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ مقدمہ کے بارہ ابواب خواہ کتنے ہی مختصر تصور کر لئے جائیں اس کے صفحات کی تعداد سینکڑوں تک جا پہنچی ہے تذکرہ کے ایک مقام پر تو اس کے اکیسویں باب کا حوالہ آیا ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اس کے اکیس ابواب تو ضرور تھے، مولانا لکھتے ہیں!

---

[۱] آزاد، ابوالکلام، ترجمان القرآن، اشاعت اول، محولہ بالا ص ۶۳، ۶۴

[۲] محمد اجمل خاں مقدمہ البیان کے بارھویں باب کا ایک حصہ، محولہ بالا، ص ۵۴-۵۵

"شرحِ حقیقتِ تحریف شریعت علی الخصوص فتنتین عظیمتین یونانیہ وعجمیہ کے لئے مقدمہ تفسیر باب بست ویکم اور تفسیر فاتحۃ الکتاب کو دیکھنا چاہیئے"۔ ۵ؔ۱

مقدمہ تفسیر کے لئے مولانا نے البصائر نام تجویز کیا تھا۔

البیان فی مقاصد القرآن تفسیر البیان کا مقصد تالیف زیادہ وسیع دائرے میں نظر و مطالعہ تھا، مقدمہ خاص اہل علم و نظر کے مطالعے کے لئے تھا اور تفسیر وسیع مطالعہ کے شائقین کے لئے تھی۔ لیکن مولانا نے بعد میں اس کی الگ اشاعت کا فیصلہ ترک کر دیا تھا اور یہ طے کیا تھا کہ تفسیر کے مباحث کو بھی ترجمان القرآن ہی میں شامل کر دیا جائے۔ البتہ جو جو مباحث ترجمان القرآن کی گنجائش سے زیادہ ہوں انہیں الگ چھاپ دیا جائے۔ مولانا نے لکھا ہے۔

"تفسیر البیان کے لئے پچھلی ترتیب میں نے اب ترک کر دی ہے۔ کیوں کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ مسلسل تفسیر کا قدیم طریقہ موجودہ زمانے میں عام مطالعے کے لئے موزوں نہیں ہے۔ ایک غیر مرتب اور غیر منقسم سلسلے کی غیر معمولی درازی اکثر طبائع پر شاق گزرتی ہے۔ اب میں چاہتا ہوں تفسیر اس صورت میں مرتب ہو جائے کہ اسی ترجمان القرآن کے ہر ترجمۂ سورت پر ایک مقدمہ یا دیباچہ کا اضافہ کر دیا جائے۔ ترجمہ کی وضاحت پہلے سے موجود ہے۔ نوٹوں کی تشریحات جا بجا روشنی ڈال ہی رہی ہیں ضرورت صرف ایک مزید درجہ بحث و نظر کی ہے۔ وہ ہر سورت کے دیباچے سے پوری ہو جائے گی اور بحیثیت مجموعی تفسیر کے مطالب اس طرح مرتب اور منقسم رہیں کہ ایک مسلسل تفسیر کا انتشارِ مطالب محسوس نہیں ہوگا۔

جولائی ۱۹۳۰ء میں ترجمان القرآن کی تسوید سے فارغ ہو کر مولانا آزاد مذکورۃ الصدر منصوبے کے مطابق تفسیر کی تیاری میں مصروف ہو گئے تھے۔ ۱۹۳۲ء کے اواخر میں ترجمان القرآن کی پہلی جلد شائع ہوئی تھی اور ۱۹۳۶ء میں دوسری جلد شائع ہوئی تو اس کی ترتیب پہلی جلد کے انداز سے بالکل مختلف تھی البتہ اس فیصلے میں بھی

۵ؔ۱ آزاد، ابوالکلام، تذکرہ، کلکتہ، الہلال پریس)

اتنی تبدیلی کر دی گئی کہ سُورہ کے تفسیری مباحث کو ترجمۂ سُورت پر ایک مقدمہ یا دیباچہ کا اضافہ کر دیا جاتے لیکن عملاً یہ صورت اختیار کی گئی کہ سورۃ کے اہم مقامات پر سورۃ کے آخر میں تفسیری مباحث کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس طرح کہ سورت کا کوئی اہم مقام تشنہ بحث و نظر نہ رہا۔

ترجمان القرآن ترجمان القرآن درس و مطالعہ قرآن کی ضرورتوں میں آخری چیز تھی لیکن اپنے مقصد و نوعیت میں وہ سب سے زیادہ ضروری، اہم اور بقول مولانا کے "تفسیر و مقدمہ کے لئے بھی اصل بنیاد یہی ہے" اس لئے سب سے پہلے اس کی اشاعت کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے مقصد تالیف کے بارے میں مولانا لکھتے ہیں:

"اس کی ترتیب سے مقصود یہ ہے کہ مطالب قرآنی کے فہم و تدبر کے لئے ایک ایسی کتاب تیار ہو جائے جس میں کتب تفسیر کی سی تفصیلات تو نہ ہوں لیکن وہ سب کچھ ہو جو قرآن کو ٹھیک ٹھیک سمجھ لینے کے لئے ضروری ہے اس غرض سے جو اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اُمید ہے کہ اہل نظر اس کی موزونیت بہ یک نظر محسوس کر لیں گے۔ پہلے کوشش کی ہے کہ قرآن کا ترجمہ اُردو میں اس طرح مرتب ہو جائے کہ اپنی وضاحت میں کسی دوسری چیز کا محتاج نہ رہے۔ اپنی تشریحات خود اپنے ساتھ رکھتا ہو۔ پھر جا بجا نوٹوں کا اضافہ کیا ہے، جو سورت کے مطالب کی رفتار کے ساتھ ساتھ برابر چلے جاتے ہیں، اور جہاں کہیں ضرورت دیکھتے ہیں، مزید رہنمائی کے لئے نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ قدم قدم پر مطالب کی تفسیر کرتے ہیں، اجمال کو تفصیل کا رنگ دیتے ہیں، مقاصد و وجوہ سے پردے اُٹھاتے ہیں، دلائل و شواہد کو روشنی میں لاتے ہیں، احکام و نواہی کو مرتب و منضبط کرتے ہیں، اور زیادہ سے زیادہ مختصر لفظوں میں، زیادہ سے زیادہ معانی و معارف کا سرمایہ فراہم کرتے جاتے ہیں۔ یہ گویا قاری قرآن کے لئے تفکر و تدبر کی روشنی ہے، جو نورھم یسعی بین ایدیھم و بایمانھم (۵۷: ۱۲) اس کے ساتھ چلتی رہتی ہے، اور کہیں بھی اس کا ساتھ نہیں چھوڑتی!"

آگے چل کر لکھتے ہیں

> "یہ حقیقت پیشِ نظر رہے کہ ترجمان القرآن کے نوٹ تشریح و وضاحت کا ایک مزید درجہ ہیں، ورنہ قرآن کا صاف صاف مطالب سمجھ لینے کیلئے متن کا ترجمہ پوری طرح کفایت کرتا ہے۔"

اس کے بعد ان نوٹس کی اہمیت پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

> "نوٹس کی ترتیب کا معاملہ نفس ترجمہ سے کم مشکل نہ تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ان کے لئے ایک محدود مقدار سے زیادہ جگہ نکل نہیں سکتی تھی، اور نوٹ، نوٹ نہ رہتے اگر ایک خاص مقدار سے کمیت یا تعداد میں زیادہ ہو جاتے۔ لیکن ساتھ ہی ضروری تھا کہ کوئی ضروری مقام تشنہ نہ رہ جائے، اور مقاصد و مطالب قرآنی کی تمام مہمات واضح ہو جائیں۔ پس پوری احتیاط کے ساتھ ایسا طریق بیان اختیار کیا گیا کہ لفظ کم سے کم ہیں، لیکن اشارات زیادہ سے زیادہ سمیٹ لئے گئے ہیں۔ جس چیز کی لوگ کمی پائیں گے وہ صرف مطالب کا پھیلاؤ ہے۔ نفس مطالب میں کوئی کمی محسوس نہ ہوگی۔ اُن کے ہر لفظ اور ہر جملہ پر جس قدر غور کیا جائے گا مطالب و مباحث کے نئے نئے دفتر کھلتے جائیں گے۔"

اس کے بعد اصولی ترجمہ و تفسیر کی بحث کے آخر میں پورے سلسلے کے بارے میں ان الفاظ میں اظہار خیالات فرماتے ہیں۔

> "آخر میں چند الفاظ اس پورے سلسلۂ ترجمہ و تفسیر کی نسبت کہدینا ضروری ہیں۔ کامل ستائیس ۲۷ برس سے قرآن میرے شب و روز کے فکر و نظر کا موضوع رہا ہے۔ اُس کی ایک ایک سورت، ایک ایک مقام، ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ پر میں نے وادیاں قطع کی ہیں، اور مرحلوں پر مرحلے طے کئے ہیں۔ تفاسیر و کتب کا جتنا مطبوعہ و غیر مطبوعہ ذخیرہ موجود ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ اُس کا بڑا حصہ میری نظر سے گزر چکا ہے، اور علوم قرآن کے مباحث و مقالات کا کوئی گوشہ نہیں جس کی طرف سے ذہن نے تغافل اور جستجو نے تساہل کیا ہو۔ علم و نظر کی راہوں میں آجکل قدیم و جدید کی تقسیمیں کی جاتی ہیں، لیکن میرے لئے یہ تقسیمیں بھی کوئی تقسیم نہیں۔ جو کچھ قدیم ہے، وہ مجھے ورثہ میں ملا، اور جو کچھ جدید ہے اُس کے لئے اپنی راہیں آپ نکال رہیں۔ میرے لئے وقت کی جدید راہیں بھی ویسی ہی دیکھی بھالی ہیں جس طرح قدیم راہوں کے چپے چپے کا شناسا ہوں:

رہا ہوں رند بھی میں اور پارسا بھی میں
مری نظر میں ہیں رندان و پارسا اک ایک!

خاندان، تعلیم، اور سوسائٹی کے اثرات نے جو کچھ میرے حوالے کیا تھا، میں نے اوّل دن ہی اُس پر قناعت کرنے سے انکار کر دیا، اور تقلید کی بندشیں کسی گوشہ میں بھی روک نہ ہو سکیں، اور تحقیق کی تشنگی نے کسی میدان میں بھی ساتھ نہ چھوڑا:

ہیچ گہ ذوقِ طلب از جستجو بازم نہ داشت
دانہ می چیدم دراں روزے کہ خرمن داشتم!

میرے دل کا کوئی یقین ایسا نہیں ہے جس میں شک کے سارے کانٹے نہ چبھ چکے ہوں، اور میری رُوح کا کوئی اعتقاد ایسا نہیں ہے جو انکار کی ساری آزمائشوں میں سے نہ گزر چکا ہو، میں نے زہر کے گھونٹ بھی ہر جام سے پیے ہیں، اور تریاق کے نسخے بھی ہر دارالشفا کے آزمائے ہیں۔ میں جب پیاسا تھا، تو میری لب تشنگیاں دوسروں کی طرح نہ تھیں، اور جب سیراب ہوا، تو میری سیرابی کا سرچشمہ بھی شاہراہِ عام پر نہ تھا:

راہے کہ خضر داشت، ز سرچشمہ دور بود
لب تشنگی ز راہِ دگر بردہ ایم ما!

اس تمام عرصے کی جستجو و طلب کے بعد، قرآن کو جیسا کچھ اور جتنا کچھ سمجھ سکا ہوں، میں نے ان تین کتابوں کے صفحوں پر پھیلا دیا ہے: ترجمان القرآن، البیان، مقدمۂ تفسیر:

سبک زجائے نگیری، کہ بس گراں گہر ست
متاعِ من کہ نصیبش مباد ارزانی!

آخر میں مولانا نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا ہے:

میرا یقین ہے کہ مسلمانوں کی زندگی وسعادت کے لئے چشمۂ حیات، حقیقت قرآنی کا انبعاث ہے، اور میں نے کوشش کی ہے کہ
اُس کے فہم و بصیرت کا دروازہ اُن پر کھل جائے۔

میں ترجمان القرآن شائع کرتے ہوئے محسوس کرتا ہوں کہ اس بارے میں جو کچھ میرا فرض تھا، توفیق الٰہی کی دستیاری سے میں نے ادا کر دیا۔ اب اس کے بعد جو کچھ ہے، وہ مسلمانوں کا فرض ہے، اور یہ اللہ کے ہاتھ ہے کہ اُنہیں ادائے فرض کی توفیق دے:

حدیثِ عشق و سرمستی زمن بشنو نہ از واعظ
کہ با جام و سبو ہر شب قرینِ ماہ و پرونیم!

ما کان حدیثاً یُفتریٰ ولکن تصدیق الذی بین یدیہ
وتفصیل کل شیءٍ وھدیً ورحمۃً لقومٍ یومنون (۱۲:۱۱۱)

۱۹۳۰ء کے آخر تک قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت کے باب میں مولانا ابوالکلام آزاد کے یہ افکار و مساعی تھے۔ پہلی جلد کی اشاعت کے بعد وہ دوسری جلد کی اشاعت کے سروسامان میں مصروف ہو گئے جو ۱۹۳۶ء میں شائع ہوئی۔ دوسری جلد کی اشاعت کے بعد بھی مولانا وقت کی اس سب سے بڑی ضرورت سے غافل نہیں ہوتے وہ آئندہ اور آخری جلد کی تیاری اور پہلی دو جلدوں کی دوسری اشاعتوں کے سروسامان مصروف ہو گئے۔ متعدد حضرات کے نام مولانا کے خطوط سے مولانا کے ذوق و مصروفیت کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے اور تیسری جلد کے مسودے میں سے جس کے بارے میں مولانا مرحوم کے انتقال کے بعد ہمیں بتایا گیا تھا کہ انہوں نے اسے مرتب ہی نہیں کیا تھا، سورۂ نور کا ترجمہ و تفسیر دستیاب بھی ہو گئی ہے۔

مولانا آزاد کی علمی زندگی کا ایک تیسرا مانع مولانا کی سیاسی مصروفیات تھیں اور یہ دور جو ۱۹۳۵ء کے بعد خصوصاً ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد ملک کی تاریخ میں شروع ہوا تھا سب سے ہنگامی دور تھا۔ انتخابات میں تمام صوبوں میں بہت بڑے پیمانے پر کانگریس کی کامیابی، وزارتوں کا قیام، مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کی عام ناراضگی، بے چینی، جنگِ عظیم دوم کا آغاز، برٹش حکومت کی پالیسی، کانگریسی وزارتوں کا استعفاء، مسلم لیگ کا اجلاس لاہور، پاکستان کی قرارداد اور ایک نئی سیاسی حرکت و عمل کے آغاز سے لے کر کانگریس کی ہندوستان چھوڑ دو تحریک، اور پھر ۱۹۴۲ء میں کانگریس کے رہنماؤں کی گرفتاری تک کا دور تاریخ پاک و ہند کا سب سے زیادہ ہنگامہ خیز اور پُرہیجان دور تھا اس زمانے میں مولانا کی علمی اور تصنیفی سرگرمیاں بہت کم نظر آتی ہیں لیکن اگست ۱۹۴۲ء میں گرفتاری عمل میں آتی ہے اور قلعہ احمد نگر کا گوشۂ خلوت میسر آتا ہے تو مولانا پھر

قرطاس و قلم کی صحبتوں میں کھو جاتے ہیں اور جب تین سال کی قید کے بعد باہر آتے ہیں تو ترجمان القرآن کی دونوں جلدیں نظر ثانی کے بعد متعدد اہم اضافوں اور تشریحوں سے مزین جدید اشاعت کے لئے ساتھ لاتے ہیں۔ نظر ثانی کے کام سے وہ ۱۹۴۵ء کے بالکل شروع میں فارغ ہو چکے تھے اور ۱۷ فروری کو دیباچہ طبع ثانی لکھ کر فارغ ہو گئے تھے اگرچہ یہ دیباچہ جلد اول میں شامل ہے لیکن نظر ثانی کا کام چونکہ دونوں جلدوں میں ہوا تھا اس لئے اسے دونوں جلدوں پر سمجھنا چاہیئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی زندگی کے آخری چند برسوں میں جب کہ انکی صحت نے جواب دے دیا تھا اور حوادث و واقعات نے انہیں حد درجہ افسردہ خاطر کر دیا تھا۔ تصنیف و تالیف کی مصروفیات ختم اور علمی زندگی صرف مطالعے کی حد تک محدود ہو گئی تھی تب بھی قرآن حکیم سے ان کے والہانہ شغف اور ذوق میں کوئی فرق نہ پڑا تھا۔ اس کا اندازہ مولانا سعید احمد اکبر آبادی کے اس بیان سے کیا جا سکتا ہے۔

> "مولانا ابوالکلام آزاد کی پرائیویٹ زندگی حد درجہ پراسرار تھی۔ وہ ملاقات کے لئے ڈرائنگ روم میں آجاتے تھے ورنہ اپنے کمرے میں بند رہتے تھے۔ جہاں بڑے سے بڑا ان کا دوست بھی نہیں جا سکتا تھا۔ بعض معتبر راویوں سے معلوم ہوا ہے کہ مولانا اپنے کمرے میں زیادہ تر وقت مطالعہ میں صرف کرتے تھے۔ قرآن مجید سے ان کو بڑا شغف تھا۔ وقت بے وقت اس کو اٹھا لیا اور جھوم جھوم کر پڑھنا شروع کر دیا۔ بسا اوقات ایک ہی آیت کو بار بار پڑھتے اور ہر مرتبہ آواز کے ساتھ ان کی وضع نشست بدل جاتی تھی۔ عبادت کے معاملے میں خصوصاً بہت زیادہ اخفاء سے کام لیتے تھے" [۱]

اس سلسلے کی ایک اہم شہادت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں[۱]

[۱] سعید احمد اکبر آبادی، مولانا ابوالکلام کی مذہبی زندگی (ایک خط) لکھنؤ صدق جدید، ۱۱ دسمبر ۱۹۵۹ء ص ۵۔

"حقیقتاً حضرت مولانا کو جن لوگوں نے قریب سے دیکھا ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ اگرچہ وقت کے تقاضوں اور اجتماعی ہنگامی زندگی نے ان کو مسلسل تحریک استخلاص وطن اور پھر آزادی کے بعد وطن عزیز کی تعمیر اور مسلمانوں کے مستقبل کی فکر نے بے حد مصروف و منہمک رکھا۔ پھر بھی حضرت مرحوم کی زندگی میں ایک دن بھی ایسا نہیں گزرا کہ سکون شب و سعادتِ اوّلین کی وہ گھڑیاں جب کہ دنیا بستر راحت پر خواب نوشیں کے مزے لوٹتی ہے، رجوع انابت الی اللہ اور مراقبہ و عبادت میں گزری ہوں۔ ان کا معمول تھا کہ رات کو بہت جلد (عموماً نو بجے) سو جاتے تھے اور صبح گاہی ۳۔ ۳½ بجے روزانہ ہی بیدار ہوتے اور اول چار رکعت سے آٹھ رکعت تک خدا کے حضور میں سر بسجود و جبین بہ نیاز رہنے کے بعد خود اپنے شوقِ چائے سے فارغ ہوتے اور پھر تفسیر قرآن حکیم یا آیات الٰہی کے کسی عنوان پر غور و فکر میں صبح کی نماز تک مشغول رہتے اور نماز فجر پڑھ کر اپنے دنیوی مشاغل میں مصروف ہو جاتے۔" [1]

لیکن اس سلسلے میں ایک شہادت ایسی بھی ہے جسے آپ مشاہدے کی آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ مولانا آزاد کے پرائیویٹ سکریٹری محمد اجمل خاں کی شہادت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کا قرآن پر غور و فکر، ترجمہ و تفسیر پر نظر ثانی اور ترمیم و اضافہ کا سلسلہ مولانا کی وفات (فروری ۱۹۵۸ء) تک جاری رہا۔ خانصاحب لکھتے ہیں!

"ترجمان القرآن جلد دوم پر بھی اسی زمانے میں نظر ثانی کی اور اس میں بھی جا بجا ترمیمیں اور اضافے کئے۔ وفات کے زمانے تک اس جلد میں کمی بیشی کرتے رہے۔ حتی کہ اس میں سے "کورش کبیر" کا مفصل ذکر عربی رسالہ "ثقافۃ الہند" میں "ذوالقرنین" کے عنوان سے چھپا۔ اس جلد میں نہایت اہم ترمیمیں ہیں۔ بعض کا تعلق جلد اول سے بھی ہے۔" [2]

اس قسم کی ترمیمات و اضافہ جات میں سے محمد اجمل خاں نے چار اہم اضافے بطور نمونہ جلد اول کی آخری اشاعت پر استدراک میں بھی شامل کر دیے ہیں۔

---

[1] حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا! ایک سانحۂ عظیم، دہلی: الجمعیۃ آزاد نمبر، ۴ر دسمبر ۱۹۵۸ء، ص ۵۵

[2] محمد اجمل خان، استدراک بر ترجمان القرآن جلد اوّل، محولہ بالا، ص ۵۴۷

مولانا آزاد کی خدمت قرآن کے باب میں ایک اہم سوال باقی رہ گیا کہ آیا وہ ترجمان القرآن کی اشاعت کے بعد مطمئن ہو گئے تھے اور سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں کی زندگی کی اصلاح کے لئے قرآن حکیم کی اشاعت اور علم و عمل کا سب سے بڑا کام انجام پا گیا ؟

مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے ترجمان القرآن کی اشاعت بلاشبہ وقت کا ایک بہت بڑا کام تھا لیکن یہ کام کی تکمیل نہیں ، آغاز تھا ۔ مسلمانوں کی زندگی میں انقلاب و اصلاح کے کامل ظہور کے لئے قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت کا مولانا کے سامنے ایک بہت بڑا اور وسیع منصوبہ تھا ۔ اور اس کے لئے انہوں نے پورا نقشہ کار بھی بنا دیا تھا ۔ لیکن اس کے تذکرہ کے لئے اس صحبت کی زیادہ سے زیادہ فرصت جو اس خاکسار کے حصے میں آسکتی تھی وہ اپنی انتہا کو پہنچ کر اس حکایت لذیذ و دلچسپ کو ختم کر دینے کا ارشارہ کر رہی ہے ۔

سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانے سے

قرآن حکیم کی تعلیم و اشاعت کے ایک علمی ادارے اور حالات و وقت کے تقاضوں کے مطابق تصنیف و تالیف کے مختلف کاموں کی ضرورت اور اس راہ کی شرائط پر گفتگو کے لئے دوسری صحبت کا انتظار کرنا چاہیئے ۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین ۔